حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد ساجد کھجناروی

مدیر ماہنامہ صدائے حق، گنگوہ
استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ، انڈیا

خوش فکر اہلِ زبان وقلم

عالمِ انسانیت کو پاؤں تلے روندنے والے کرونا وائرس کے بارے میں ڈبلیو ایچ او کا تازہ بیانیہ گرچہ تسلی آمیز ہے، لیکن پھر سے کئی ممالک میں اس کے پاؤں پسارنے یا تیسری لہر کی متوقع آمد سے عالمی منظر نامہ پر تشویش کا ماحول فطری بات ہے، کرونا وبا کا یہ عالمی کھیل آسمانی ہے یا زمینی، وہ ربِ قدیر ہی بہتر جانتا ہے، جس کے دستِ تصرف وعلمِ یقینی سے کائنات کی ادنیٰ شے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اس موذی وبا نے اقتصاد ومعیشت اور سیاست وسماج کے دھارے ہی نہیں بدلے، بلکہ انسانی بستیوں پر بھی جو شبِ خون مارا ہے، وہ ہماری بے ثبات زندگی کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے کیسے کیسے چمکتے دمکتے چہرے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، ان میں انسانیت کا دم بھرنے والے بھی تھے اور نفرت کے سوداگر بھی، اپنے حقیقی رب سے لو لگانے والے بھی تھے اور متھرا وکاشی کا گن گانے والے بدعقیدہ لوگ بھی، میدانِ علم ودانش کے راہی بھی ان میں تھے اور قلم وکتاب کے بے تکان مسافر بھی۔ اب موت اچھے اور برے لوگوں میں فرق بھی کرے تو کیوں کرے کہ فاطرِ کائنات کے حکم سے عدول اس کا شیوہ ہے، نہ اختیار، اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت

افسوس صد افسوس کہ اس کرونائی عہد میں ہم سب کے مخدوم ومحترم استاذ الاساتذہ عربی زبان وادب کے عبقری معلم، قلم وکتاب کے عاشق، دو درجن سے زائد اہم عربی واردو کتابوں کے

مولانا سے براہِ راست پڑھنے والے ہمارے بعض ذہین ساتھیوں کا بیان ہے کہ استاذِ محترم کتاب نہیں، فن پڑھاتے تھے۔ ان کی عقابی نگاہیں درس گاہ کے ہر طالب علم کو چوکنا بلکہ اپنے سے مربوط ر ، کیا مجال کہ بے پرواہ طالب علم بھی آنکھ مچولی کا حوصلہ کر پاتا، درست عبارت پڑھنے اور سننے پر فوکس رہتا۔ عبارت میں در آئے اسماء افعال اور صلات وغیرہ کی خوب چھان پھٹک ہوتی۔

صرف ونحو کے قواعد، جملوں کے اُلٹ پھیر اور تعبیرات کی وسعت و جمالیات اور محلِ استعمال پر سیر حاصل ہوتی۔ مضمون کی وتشریح بھی ایسی کہ بات ہر کسی کے پلے پڑ جائے۔ طلبہ کی نفسیات کا بھی پورا ادراک رہتا، جلال و جمال کی مشترکہ ادائیں مخا پر سایہ فگن، جس سے حضرت الاستاذ کی عظمت کا احساس ہر وقت تازہ رہتا۔ سچ پوچھیے تو ان کمالات نے مولانا امینیؒ کو محبوبیت کا لباس پہنا رکھا تھا، اسی لیے کچھ پانے والے حقیقی طلبہ انہیں ٹوٹ کر چاہتے تھے اور آپ کے نخروں کو شوق سے جھیلتے۔

آپ سن ۱۹۸۲ء میں استاذِ عربی دارالعلوم دیوبند وارد ہوئے اور پہلے دن سے دارالعلوم میں عربی زبان وتکلم کے اس ماحول کو پروان چڑھانے کے لیے کوشاں رہے، جو آپ کے مربی استاذ حضرت مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی نے شب و روز کی جان توڑ محنت سے بنایا تھا۔ خود مولانا امینیؒ بھی حضرت مولانا کیرانویؒ کے دست گرفتہ اور ان کے خوابوں کی تعبیر تھے۔ ''وہ کوہِ کی بات'' نامی کتاب لکھ کر حضرت مولانا امینیؒ نے اپنے استاذ مذکور کو شاندار خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور احسان شناسی کا فریضہ بھی نبھایا ہے۔

مولانا نور عالم خلیل امینیؒ کی سیرت و کے کئی پہلوؤں پر ایجابی ہوسکتی ہے، سرِدست ہم نے آپ کی زبان وقلم کا اجمالی سا تذکرہ چھیڑا تھا، کوئی شبہ نہیں کہ وہ ادیبِ عصر، زماں اور صاحبِ اسلوب اہلِ قلم صحافی تھے، انہوں نے کئی موضوعات پر ہے اور دیدہ ریزی سے ہے، دین وملت کے نازک مسائل ہوں یا نوں کے انفرادی اورا عی احوال، خواص سے ہو یا عوامی پلیٹ فارم پر کہی جانے والی بات، مولانا کی تحریروں میں سب کچھ ہے۔ انہوں نے جو کچھ ہے، وافی شافی اور تفصیل سے ہے۔

فکر وعقیدہ کے ابواب تک انہوں نے دردمندی سے ہے، مثال کے طور پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کچھ لوگوں کے دل یا بیزار ہوتے ہیں، جو بدبختی کی علامت ہے، مولانا نے ''صحا ﷺ رسول اسلام کی نظر میں'' کے عنوان سے کتاب لکھ کر بیمار دلوں کو شفا کا علاج فراہم کیا ہے، جس سے آپ کے فکر ونظر کی طہارت کا پتہ ہے۔

مولانا کے کارہائے نمایاں میں اعلام وشخصیات پر لکھے خاکوں کا تذکرہ ہمیشہ تازہ رہے گا۔ ''رفتگانِ نارفتہ'' تو غالباً ابھی اشاعت کی منتظر ہے، لیکن ''پسِ مرگ زندہ'' کو بارہا دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ حضرت مولانا کی جن مشاہیر شخصیات سے رسم وراہ رہی ہے یا اُن کو دیکھا اور برتا ہے، اُن کے تذکرہ وسوانح اور نقوشِ زندگی کو تحریر کے قالب میں کچھ اس طرح ڈھالا ہے کہ واقعی وہ ''پسِ مرگ'' بھی ''جاوید'' ہوگئے ہیں۔

مولانا نور عالم امینی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اسی وقت کانوں میں پڑا جب ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینے کے بعد اس کی پرکیف فضاؤں میں سانس لینے کے مواقع میسر آئے۔ درسِ نظامی کے پہلے ہی سال نصاب میں داخل آپ کی کتاب ''مفتاح العربیہ (اوّل/دوم)'' متعلقہ استاذ نے بہت شوق سے پڑھائی اور مولانا امینیؒ کے فکر وفن کا بارہا تذکرہ کرکے ان کی محبت کا جام سا پلا دیا۔

دارالعلوم کے دس سالہ قیام میں انہیں قریب وبعید سے ضرور دیکھا، مگر باضابطہ ملاقات کی کوئی تقریب نہ ہوسکی، جس میں میری غفلت اور کم آمیزی ہی دخیل رہی۔ فراغت کے بعد جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں تقرر ہوا اور ماہ نامہ صدائے حق کے ادارتی صفحات لکھنے کی نوبت آئی تو یہیں سے مولانا امینیؒ کی توجہ بھی حاصل ہوئی، چنانچہ گنگوہ میں کچھ تدریسی زمانہ گزرنے کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی تو نام سنتے ہی بہت خوش ہوئے اور بے تکلفی کے ساتھ جامعہ اشرف العلوم رشیدی اور ذمہ دارانِ مدرسہ بالخصوص اس کے بانی حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا اچھے انداز میں تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ میں حضرۃ الاستاذ مولانا کیرانویؒ کے ساتھ کئی مرتبہ وہاں جاچکا ہوں اور یہ کہ قاری صاحب مرحوم خالص تعلیم وتربیت کا ستھرا ذوق رکھنے والے باہمت انسان تھے۔

حضرت مولانا امینیؒ نے ''پسِ مرگ زندہ'' میں بھی قاری صاحب کا تعزیتی شذرہ لکھتے ہوئے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اُدھر قریب کی ملاقاتوں میں آپ کی شفقتوں کا احساس ماسوا ہونے لگا تھا اور مولانا بھی جامعہ اشرف العلوم میں اپنی آمد چاہتے تھے، جس کے لیے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی نے درخواست بھی گزار رکھی تھی، مگر لاک ڈاؤن کا سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا کہ آپ کی تشریف آوری ممکن نہ ہوسکی، ''وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا''۔

اب مولانا امینیؒ کی یادیں اور باتیں ہی باقی رہ گئی ہیں، رحمه الله رحمةً واسعةً.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....